سلسلۂ مطبوعات
۴

مذہب یا تہذیب

از

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ناشر

مکتبۂ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ

اپریل ۱۹۷۸ء   قیمت پچاس پیسے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مذہب یا تہذیب

کس کی دعوت صحیح ہے؟

(۱)

آج کل پرانی تہذیبوں کے زندہ کرنے کا شوق ہر ملک اور ہر قوم میں عام ہے، کوئی دو ہزار برس پہلے کی تہذیب کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ کوئی چار ہزار برس قبل مسیح کے دور کو واپس لانا چاہتا ہے۔ جن ملکوں کو نئی نئی آزادی ملی ہے وہاں ہر طرف یہی نعرہ بلند ہے کہ اپنے ملک کی ہزاروں سال کی پرانی تہذیب کو زندہ کرنے میں اب کیا رکاوٹ ہے کہیں اس پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہماری تہذیب دنیا کی سب سے پرانی تہذیب ہے، کہیں کہا جا رہا ہے کہ ہماری زبان اور تہذیب کی خصوصیت ہے کہ انھوں نے ہزاروں سال تک بیرونی اثرات قبول نہیں کئے، اور وہ ہزاروں سال پہلے کی شکل وصورت پر قائم ہیں۔

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس جذبہ اور مطالبہ کا محرک اور اس کی بنیاد کیا ہے؟ کیا کسی بہتر نئی زندگی کی تلاش مٹی ہوئی اور رکھوئی ہوئی اخلاقی خوبیوں کی بازیافت ایک صالح تر نظام زندگی اور ایک بہتر معاشرہ کا احیاء جس میں زیادہ روحانیت ومعنویت، امن واطمینان، سکون قلب، خلوص ومحبت حقوق باہمی کی ادائیگی، خدا ترسی اور احساسِ ذمہ داری تھا، اور کم سے کم نفسانیت وخود غرضی، مادیت وبداخلاقی، خدا فراموشی ونفس پرستی تھی ہم جب پرانی تہذیب کو زندہ کرنے کی دعوت ومطالبہ کی علمی تنقید وتحلیل کرتے ہیں اور اس دعوت کے علمبرداروں اور پرجوش وکیلوں کی زندگی اور اخلاق کا ان کی دعوت سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ اُن کی تقریروں اور تحریروں میں اخلاق اور اس کی بنیادوں، روحانیت اور ایمان واعتقاد کا سرے سے تذکرہ اور اہمیت نہیں، محض تمدن کے سطحی مظاہر اور فنون لطیفہ زبان وکلچر کا تذکرہ ہے جن کو اخلاق ومعاشرت سے زیادہ سروکار نہیں، ان کے ادب میں ہمیں موجودہ مادہ پرست نظام زندگی پر کوئی گہری تنقید اور اس سے بیزاری نظر نہیں آتی، اور نہ زندگی کی ان گہری بنیادوں سے دلچسپی جن پر زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پرانی تہذیب کے احیاء کی دعوت کے ساتھ ساتھ اس غلط نظامِ زندگی کے ساتھ جگہ جگہ ساز باز

کئے ہوئے ہیں، جابجا اس کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں اور کہیں اس سے انحراف یا بغاوت کرتے نظر نہیں آتے، انھوں نے اسی ڈھنگ پر آئین سازی کا کام جاری رکھا، نظامِ تعلیم کو اس کی لادینی اور غیر اخلاقی روح کے ساتھ قبول کیا، غیر مذہبی ریاست کا اعلان کیا، مملکت کی ساری تنظیم غیر دینی اور غیر اخلاقی بنیادوں پر کی، مسائلِ زندگی اور ان کے حل کی کوشش میں، بے نظمیوں، بدعنوانیوں، رشوت، چور بازاری اور نفع خوری اور دوسری خرابیوں کے دور کرنے میں ان کا ذہن بیسویں صدی کے مادہ پرست مغربی ذہن سے کسی طرح مختلف اور بہتر طریقہ پر سوچنے والا نہیں اور کہیں بھی اس گہرے تفکر کا ثبوت نہیں دیتا جو مشرق کی قدیم مذہبی قوموں کی خصوصیت ہے، مشکلات اور نئی نئی الجھنوں کی وہی تعبیر اور ان کو دور کرنے اور سلجھانے کی وہی اوچھی تدابیر جو یورپ و امریکہ میں سوچی اور آزمائی جاتی ہیں، نئی کمیٹیوں کی ترتیب، تحقیقاتی کمیشنوں، انسدادِ رشوت ستانی کے لئے نئے افسروں کا تقرر، غلہ کی نایابی کے لئے راشننگ قیمتوں کی افزونی کا علاج قیمتوں کا کنٹرول وغیرہ وغیرہ ہم نے یہ کبھی نہیں سنا کہ پرانی تہذیبوں کے قدردانوں اور ویدک تہذیب اور پراچین ہندوستان کے داعیوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہو کہ عوام میں اخلاقی احساس اور مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے، اور ان میں پرانے زمانے کا ایمان و اعتقاد پیدا کیا جائے جزا و سزا کے مذہبی عقیدہ اور یقین کو دوبارہ زندہ کیا جائے،

جس کے بغیر آدمی جرائم اور بد اخلاقیوں سے اجتناب نہیں کر سکتا، یورپ کے مادی فلسفہ کی تردید کی جائے، دولت پرستی کی بحرانی کیفیت کو جو ساری قوم پر طاری ہو گئی ہے، کم کرنے کی کوشش کی جائے، اخلاق و روحانیت کی منظم و مؤثر طریقہ پر تلقین کی جائے، ہم کہیں اس کا کوئی ذکر و فکر نہیں پاتے، ہر طرف پرانی تہذیب کے ایک مبہم لفظ اور زبان و کلچر کی صدا بلند ہے جس کے پیچھے نہ کوئی روحانی خواہش ہے نہ کوئی اخلاقی جذبہ۔

اس بنا پر ہم جب تہذیبِ قدیم کے احیاء کی دعوت کو جانچتے ہیں اور اس کے ذہنی و قلبی محرکات کو تلاش کرتے ہیں تو ہم کو ایسا نظر آتا ہے کہ اس کی تہ میں صرف قوم پرستی اور نسلی غرور کا جذبہ کام کر رہا ہے یا اس تہذیب کے خلاف ردِ عمل کا جذبہ جو اس پچھلے ہزار برس میں ہندوستان میں برسرِ عروج رہی ہے اور اس کا جرم یہ ہے کہ اس کا بہت سا حصہ ہمالیہ کی دیواروں کے مغربی یا شمالی جانب سے آیا ہے، درحقیقت ان میں سے کوئی چیز بھی کوئی سنجیدگی اور گہرائی نہیں رکھتی اور محض طفلانہ احساسات اور عامیانہ جذبات پر مبنی ہے، قوم پرستی اور نسلی غرور و تکبر دنیا کے سب سے بڑے تخریبی عناصر رہے ہیں جنھوں نے بار بار سکندر و چنگیز کے لباس میں دنیا کو تہ و بالا کیا ہے، کسی قدیم تہذیب کے مٹے ہوئے نشانات سے کسی ملک و قوم کی تعمیر نہیں ہو سکتی، تعمیر کے لیے صرف صحیح مذہب کی بنیادیں ہیں جو زندگی کے حدود

متعین کرکے زندگی کی پوری وسعت میں اس کی لچک اور اس کی ترقی کو تسلیم کرتا ہے، اور ان حدود کے اندر زندگی کو پورے طور پر پھلنے پھولنے اور دوڑنے بھاگنے کا حق دیتا ہے، خواہ دس ہزار برس کی مقدس تہذیب ہو یا دو ہزار برس کا تمدن وہ ایک خاص قطع کا لباس ہے جو عصر جدید اور ایک نوخیز قوم کے جسم پر سلامت نہیں رہ سکتا۔ پرانی تہذیب ہمیں ایک سلا ہوا لباس دیتی ہے، دو ہزار برس قبل مسیح یا چار سو برس بعد مسیح کا لباس بیسویں صدی عیسوی کے جسم پر کس طرح راست آسکتا ہے۔ مذہب ہمیں لباس کے اصول و حدود عطا کرتا ہے اور زندگی کی اشیائے خام سے ہمیں سامان تیار کرنے کے اخلاقی ضوابط بخشتا ہے، وہ ایک خاص طرح کی آستین، خاص شکل کا دامن، خاص نمونہ کی کلی، خاص طرز کے تکمے نہیں دیتا، وہ یہ کہتا ہے کہ لباس ساتر ہو، پردہ پوش ہو، غرور پیدا کرنے والا نہ ہو، اسراف سے محفوظ ہو، تنعم و راحت پسندی کا پیدا کرنے والا نہ ہو، حتی الامکان اس میں سادگی و اعتدال کا لحاظ رکھا گیا ہو، ان حدود کے اندر آپ کو ہر زمانہ ہر ملک ہر موسم اور ہر طرح کے حالات و ضروریات کے لئے لباس تیار کرنے کی پوری آزادی ہے، تہذیب قدیم اصرار کرتی ہے کہ کرتہ فلاں نمونہ کا ہو جو دو ہزار برس پہلے فلاں دور میں استعمال ہوتا تھا، پیجامہ کی جگہ دھوتی یا لنگوٹ ہو کہ وہ ہمارے پرکھوں کا شعار ہے۔ جاڑے میں کمبل یا روئی کی رضائی کے علاوہ کچھ استعمال نہ کیا جائے کہ یہ سب چیزیں

باہر سے آئی ہیں۔ مذہب کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں، اندرون ملک و بیرون ملک دیس پردیس، قدیم و جدید کی تقسیم اس کے یہاں بے معنی اور فضول ہے اس کے نزدیک زندگی کے کچھ ہمہ گیر اصول ہیں جو ہر ملک و قوم اور ہر زمانہ کے لئے عام ہیں، وہ انسانوں سے یہ نہیں کہتا کہ یہ لباس تمہارے دیس کا ہے یہ پردیس کا تمہارے باپ دادا پہنتے تھے یہ نہیں پہنتے تھے، وہ عام انسانوں سے کہتا ہے۔

یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوأتکم وریشا ولباس التقوٰی ذٰلک خیر۔
(اعراف ۔ ع ۳)

اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لئے وہ لباس پیدا کیا ہے جو تم کو برہنگی سے بچائے اور آرائش کے کپڑے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے۔

اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ فلاں کھانا فلاں ملک کا ہے اور فلاں پھل کو فلاں قوم نے ترقی دی، فلاں کھانے کی اس لئے سرپرستی کی جائے کہ وہ ہمارے ملک کا قدیم ترین کھانا ہے اور فلاں قسم کے آداب طعام کا اس لئے مقاطعہ کیا جائے کہ ایک حملہ آور قوم ان کو اپنے ساتھ لائی تھی، وہ صرف یہ کہتا ہے۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین ۝ (اعراف ۔ ع ۳)

کھاؤ پیو اور بیجا خرچ نہ کرو اس کو بیجا خرچ کرنے والے پسند نہیں آتے۔

سار ی زندگی میں مذہب و تہذیب کا یہی اُصولی فرق نظر آئے گا۔

مذہب اصول عطا کرتا ہے، تہذیب بنے بنائے سانچے دیتی ہے وہ بھی سیکڑوں ہزاروں برس پہلے کے جو اپنی زندگی کھو چکے ہیں، اور جگہ جگہ سے ٹوٹ چکے ہیں، مذہب زندگی کو وسیع اور لچکدار بناتا ہے تہذیب اس کو تنگ اور بے لچک بناتی ہے، مذہب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ہر طرح کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ قدیم تہذیب صدہا چیزوں سے محروم کرتی ہے۔ مذہب کہتا ہے۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج	پوچھیے کس نے اللہ کی پیدا کی ہوئی وہ زینت
لعبادہ والطیبٰت من الرزق۔	حرام کی جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا
(اعراف ۔ ع ۴)	کی اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں۔

اور قدیم تہذیب ہر چیز میں اپنا نشان ڈھونڈھتی ہے جہاں اس کو اپنا نشان نہیں ملتا اس کو رد کرتی ہے یا اس پر ناک بھوں چڑھاتی ہے۔

(۲)

قدیم تہذیبیں انسانوں کو چھوٹے چھوٹے دائروں میں تقسیم کرتی ہیں اور انسانوں اور انسانوں کے درمیان ملکوں اور ملکوں کے درمیان قوموں اور قوموں کے درمیان بلکہ صوبوں اور صوبوں کے درمیان رسوم و عادات کی دیواریں کھڑی کرتی ہیں، مذہب تمام انسانوں کو ایک طرح کے اصول زندگی، ایک

مقصد زندگی، ایک روح زندگی اور پیغام زندگی عطا کرتا ہے، قدیم تہذیبوں کے مطالعہ اور قدیم تاریخ کے اثر سے جو ذہنیت تیار ہوتی ہے وہ قومی عروج اور دور قدیم کے بازگشت کے لئے ناانصافی، تنگ نظری اور ظلم سکھاتی ہے، اس لئے کہ بعض وقت اس کے بغیر اس تہذیبی دور کی واپسی مشکل ہوتی ہے، اس لئے یورپ کی جن قوموں کا ذہنی و سیاسی نشوونما قدیم تہذیب اور قدیم تاریخ کی بنیاد پر ہوا وہ بڑی ظالم و مغرور اور بے رحم ثابت ہوئیں۔ مذہب کی تعلیم ہے۔

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین	اے ایمان والو! اللہ کے واسطے کھڑے
للہ شھداء بالقسط ولا	ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے بنو
یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا	اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو
تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ	ہرگز نہ چھوڑو، انصاف کرو یہی بات خدا
واتقوا اللہ ان اللہ خبیر	کے خوف و لحاظ سے زیادہ مناسبت رکھتی
بما تعملون ۰	ہے اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تمہارے
(المائدہ ۔ ع ۲)	اعمال سے خوب خبردار ہے۔

قدیم تہذیبیں کہتی ہیں آؤ اس دور کی طرف جب ایسے رسم و رواج تھے، کھانے پینے کا یہ طریقہ تھا، لباس کا یہ طرز تھا، کھانے کے یہ برتن تھے یا فلاں درخت کے پتے تھے، سواری کے لئے رتھ تھے یا بیل گاڑیاں تھیں یا اونٹ

تھے، آؤ سنسکرت کی طرف یا خالص عربی کی طرف یا زبان پہلوی کی طرف۔

مذہب کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں، اس کی نظر میں وسائل اہم نہیں مقاصد اہم ہیں اور وہ روح اور ذہنیت اہم ہے جس کے ساتھ یہ وسائل استعمال کئے جاتے ہیں، رتھ، بیل گاڑی، اونٹ کی سواری یا ریل، موٹر، ہوائی جہاز ان وسائل سفر میں جب جس چیز کی ضرورت ہو اور مقصد سفر کے لئے زیادہ مفید ہو اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی نگاہ میں ضروری یہ ہے کہ

لتستووا علی ظهوره ثم تذكروا نعمة ربكم اذا استويتم عليه وتقولوا سبحان الذي سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون ○

تم ان سواریوں پر سوار ہو پھر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم ان پر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ پاک ہے اس کی ذات جس نے ہمارے قابو میں ان سواریوں کو دیا اور یہ ہمارے بس کی تو نہ تھیں۔ اور ہم اپنے رب کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔

مذہب کی دعوت یہ نہیں کہ آؤ عبرانی زبان کی طرف یا عربی یا سنسکرت یا فارسی کی طرف، مذہب کی صاف دعوت سب کے لئے وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل مذہب کو دی۔

قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ

اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو

بعضنا بعضا اربابا من دون الله (آل عمران۔ ع ۷)

اور ہم میں سے ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے۔

اس لئے قدیم تہذیبوں کا احیاء انسانیت کے لئے ایک مصیبت اور ایک فتنہ ہے، جو نئی نئی جنگیں اور نئے نئے اختلافات اور نئے مشکلات پیدا کرے گا، صحیح مذہب کی دعوت، پیام رحمت اور انسانیت عامہ کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

پھر فرض کیجئے کہ خدانخواستہ سب قدیم تہذیبیں اپنے حامیوں کی خواہش کے مطابق زندہ ہو جائیں، ہندوستان، یونان، روم، ایران، مغرب کی قدیم تہذیبیں دوبارہ واپس آجائیں تو دنیا میں کیسا فتنہ برپا ہو اور کیا تماشہ دیکھنے میں آئے، ظاہر ہے کہ یہ تہذیبیں زندہ ہوں گی تو اپنے تمام خصوصیات اور محاسن و معائب کے ساتھ زندہ ہوں گی، آپ کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ فلاں قدیم تہذیب ضرور زندہ ہو مگر فلاں معائب اور نقائص جو اس کی پوری زندگی میں قائم رہے زندہ نہ ہوں، اور اس کا آپ کو اختیار ہی کب ہے، ہر تہذیب اپنے تمام مزاجی خصوصیات اور امتیازی صفات کے ساتھ زندہ ہوگی، اب دنیا کا نقشہ کیا ہوگا، ہندوستان میں شہوانیت کا دور دورہ ہے، سخت طبقاتی ناانصافی اور چھوت چھات پایا جاتا ہے، عورتیں ستی ہو رہی ہیں یونان میں دیویوں کی قربان گاہوں پر حیا سوز افعال کئے جا رہے ہیں، عصمت فروشی

ایک معزز دلپسندیدہ پیشہ ہے۔ روم میں غلاموں پر تیل چھڑک کر آگ لگا کر دعوتوں میں روشنی کا انتظام کیا جا رہا ہے، اور اس انسانیت سوز روشنی میں پرتکلف دعوتوں اور شاہانہ ضیافتوں کا انتظام کیا جا رہا ہے، سپاہی کے دنگل گرم ہیں، جہاں ایک انسان دوسرے انسان پر محض لوگوں کی شوق تماش بینی کی تسکین کے لئے تلوار سے حملہ آور ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ایک انسان خاک و خون میں لوٹتا نظر آتا ہے، مجمع اس کی آخری کراہ سننے کے لئے اور نزع کی کیفیت دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتا ہے اور پولیس کو انتظام مشکل ہو جاتا ہے ایران میں آتش پرستی ہو رہی ہے امرا ایک ایک لاکھ روپئے کی صرف ٹوپی پہنے ہوئے ہیں اور غربا سردی میں ٹھٹھر کر مر رہے ہیں، حقیقی بہن سے نکاح کا دستور ہے۔ اور ایک طبقہ عورت کو سوسائٹی کی ملکیت عامہ بنانے کا طلبگار ہے۔ عرب میں معصوم بچیاں دفن کی جا رہی ہیں، قافلے لٹ رہے ہیں، بے بات کی بات پر چالیس چالیس برس تک جنگیں جاری رہتی ہیں۔ شراب، جوئے اور بداخلاقی کے عریاں قصّوں کو فخریہ اشعار میں بیان کیا جا رہا ہے اور ان اشعار کو کعبہ میں آویزاں کر کے شاعری کی قدردانی کا ثبوت دیا جا رہا ہے، کیا یہ دنیا کا کچھ اچھا نقشہ ہوگا اور کیا اس بات کے لئے کوئی قانونی و اخلاقی جواز ہے کہ ہندوستان کی چار ہزار برس پہلے کی تہذیب تو ضرور زندہ ہو لیکن ایران و

عرب کی ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی تہذیبیں زندہ نہ ہوں، اگر ہر ملک میں اس کی قدیم تہذیب کو زندہ ہونے کا حق ہے تو دنیا کا ہر ملک اس حق کا طلبگار ہے اور رہیں استثنا کا کوئی حق نہیں۔

دراصل ان تہذیبوں کے مٹ جانے میں اللہ کا بڑا فضل شامل تھا، ان کے ساتھ ان کی بہت سی بے اعتدالیاں اور ناانصافیاں بھی مٹ گئیں، اور انسانوں کی ایک بڑی جماعت کو ان سے نجات ملی، قومی تعصبات سے اگر آزاد ہو کر ہم تاریخ و فلسفہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو نظر آئے گا کہ دنیا میں جو چیز مٹی اس کو مٹ ہی جانا چاہئے تھا، اس کا مٹ جانا اس کی علامت ہے کہ اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی اور وہ اپنی عمر پوری کر چکی تھی، کسی دوسرے نظام زندگی کا اس پر غالب آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ غالب آنے والا نظام زندگی اس سے فائق و برتر تھا اور زندگی کا زیادہ استحقاق اور استعداد رکھتا تھا اب ان مٹی ہوئی تہذیبوں کا دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے فراعنہ مصر کی مسالہ لگی ہوئی لاشوں (ممی) کو ان کے مقبروں سے نکال کر دوبارہ مصر کے تخت پر بٹھانا اور حکومت کے اختیارات کو ان کے حوالہ کرنا ہے، دنیا میں کوئی فلسفہ اور نظام زندگی بغیر روح اور اپنے مخصوص پیغام کے زندہ نہیں رہ سکتا، ان تہذیبوں کی روح نکل چکی، وہ اپنا پیغام اپنے زمانہ کی محدود دنیا کو سنا چکیں اب نہ ان میں عصر حاضر کی

روح ہے نہ دنیا کے لئے کوئی پیغام، نہ ان کے پاس انسانیت کے مسائل و مشکلات کا کوئی حل ہے، نہ سرگشتہ و حیران قوموں کے لئے راہِ عمل اس لئے اب ان مردہ تہذیبوں کا زندہ کرنا طاقت اور وقت کا ضیاع اور ایک لاحاصل کام ہے۔

دعوت و جد و جہد کی چیز دراصل صحیح اور غیر فانی مذہب ہے جس کو اللہ کے پیغمبر ہر ملک اور ہر دور میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی طور پر لے کر آئے، انھوں نے اس کے ذریعہ سے انسانوں کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دیا، خالق سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا، توحید خالص کا سبق پڑھایا، حساب کتاب کی اخروی زندگی کا منتظر بنایا، نیکی اور بدی کے معین حدود بتلائے اور اخلاق و معاشرت و حقوق باہمی کے وہ بے خطا اصول و ضوابط عطا کئے جن پر ہر دور میں حیات انسانی کی تنظیم ہو سکتی ہے اور مدنیت صالحہ وجود میں آتی ہے، ان کے احکام پر عمل کرنے سے خود بخود ایک زندگی پیدا ہوتی ہے جو افراط و تفریط اور ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتی ہے، ایک معاشرہ قائم ہوتا ہے جو امن و سکون، اطمینان قلب، اشتراک و تعاون اور اعتدال و توازن کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اس کی بنیادیں ٹھوس لیکن اس کی فضا وسیع ہے۔ اس میں فولاد

کی طرح بیک وقت صلابت اور لچک دونوں موجود ہیں یہ وہ زندگی اور معاشرہ ہے جس پر کسی قوم و نسل کی چھاپ اور کسی قومیت اور وطنیت کا ٹھپّہ نہیں۔ یہ انسانیت کی دولت مشترکہ ہے جس میں کسی قوم اور ملک کی اجارہ داری نہیں، اس سے نہ چین کو انکار ہو سکتا ہے نہ ہندوستان کو عار، نہ ایران کے لئے وحشت کی کوئی وجہ ہے نہ یورپ کے لئے گریز کی کوئی راہ، پر امن اور کامل زندگی کے لئے اس کے سوا کوئی نمونہ ہی نہیں۔

آپ کا جی چاہے تو آپ اس زندگی کو بھی تہذیب کہہ سکتے ہیں جو ان عقائد و احکام سے وجود میں آئی ہے لیکن آپ اس کو عربی تہذیب یا ایرانی تمدن نہیں کہہ سکتے اس کو کسی ملک اور قوم اور اس کے طرز تعمیر اور فنون لطیفہ سے دلچسپی نہیں، اور وہ کسی قومی تمدن یا ملکی تہذیب کی نمائندہ اور وکیل نہیں، ہر ملک میں اس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے اور ہر قوم اس کو اپنا سکتی ہے مٹ جانے والے تمدنوں پر اس کی بنیاد نہیں، ایمانیات و عقائد اور غیر متبدل حقائق پر اس کی بنیاد ہے جو نبی دنیا میں لے کر آئے، اس لئے اس کے مٹنے اور دوبارہ زندہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ۔

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطوں

اس کے لئے علیحدہ دعوت واحیاء کی ضرورت نہیں، اسلام کی دعوت اس کی دعوت ہے اور یہ دعوت ہر وقت زندہ اور تابندہ ہے ؎

طلوع ہے صفت آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثال زمانہ گونا گوں

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلام گوئن روڈ۔ لکھنؤ

(نیو یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ)